28

دین کی خدمت کا ثواب دائمی ہے
اور دنیوی مال ایک عارضی اور فانی چیز ہے

(فرمودہ 8 اکتوبر 1954ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''میری طبیعت ابھی تک خراب چلی آتی ہے۔ گو درد میں تو کمی واقع ہو گئی ہے لیکن مرض مزمّن 1 شکل اختیار کر گئی ہے اور میں ابھی زمین پر سجدہ نہیں کر سکتا۔ پہلے یہ ہوتا تھا جب درد میں کمی آتی تھی تو پورے طور پر کمی آ جاتی تھی لیکن اِس دفعہ ایسا نہیں ہوا بلکہ چھوٹے چھوٹے حملے درد کے ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً پرسوں انگوٹھے میں درد کا حملہ ہوا لیکن دو گھنٹے کے بعد درد بھی کم ہو گیا اور ورم میں بھی کمی واقع ہو گئی۔ کل نسبتاً پرسوں سے کم حملہ ہوا۔ پَیر کی انگلیوں میں درد شروع ہوئی لیکن تھوڑی دیر میں درد اور ورم دونوں میں کمی آ گئی۔ گویا بیماری ایک نئی شکل اختیار کر گئی ہے اور جسم کے بعض حصوں پر اچھا ہو جانے کے بعد بھی اس کا اثر باقی رہتا ہے۔ پہلے جب شدید حملہ ہوتا تھا تو چار پانچ دن میں اس کی شدت جاتی رہتی تھی۔ مگر پورا آرام تین چار ہفتوں میں آتا تھا لیکن اب حملہ ہوا تو گو بخار جو حملہ کے ساتھ ہی ہو جاتا تھا

وہ بھی جلد دور ہو گیا اور درد میں بھی کمی واقع ہو گئی لیکن میں ابھی تک اچھا نہیں ہوا کیونکہ مرض کے چھوٹے چھوٹے حملے ہوتے رہتے ہیں۔ بہرحال اس تکلیف کی وجہ سے میں روزانہ نماز میں نہیں آ سکا۔ جمعہ کے لیے آ گیا ہوں لیکن میں کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھا سکتا بیٹھ کر پڑھا دوں گا اور سجدہ کے وقت میں اشارہ کروں گا۔

گزشتہ خطبہ جمعہ میں مَیں نے بتایا تھا کہ چونکہ بیماری کی وجہ سے میں سجدہ نہیں کر سکتا اس لیے میں نے گاؤ تکیہ منگوا لیا ہے۔ میں اُس پر سجدہ کر لوں گا۔ اِس پر مجھے جماعت کے بعض علماء نے خط لکھا کہ بعض طلباء نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ سجدہ کے لیے نماز میں تکیہ پر سجدہ کرنا ناجائز ہے۔ اگر کوئی شخص کسی بیماری کی وجہ سے سجدہ نہ کر سکتا ہو تو اُسے اشارہ کرنا چاہیے سجدہ کے لیے کسی چیز کا سہارا نہیں لینا چاہیے۔ دوسرے، علماء نے تحقیقات کر کے بعض اِس قسم کی حدیثیں بھی نکالی ہیں کہ بعض صحابہؓ نے پگڑی یا کسی اَور چیز کا سہارا لے کر سجدہ کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ بعض چیزوں کی حکمت واضح ہوتی ہے اور بعض چیزوں کی حکمت واضح نہیں ہوتی۔ اشارہ سے سجدہ کرنا اور کسی تکیہ پر یا اونچی جگہ پر سجدہ کرنا اِن دونوں باتوں میں بظاہر کوئی فرق نہیں۔ ایک صورت میں سر زمین پر نہیں لگتا اور ایک صورت میں دوسری چیز کے واسطہ سے کسی حد تک سر زمین پر لگ جاتا ہے۔ لیکن اِدھر ایک حدیث میں جسے صحیح کہا جاتا ہے یہ امر بھی پایا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عذر کی بناء پر سجدہ نہ کر سکے تو وہ اشارہ سے سجدہ کر لے۔ میرے نزدیک اِس حکم کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ نماز میں سورہ نجم کی تلاوت فرمائی۔ آخر میں جب آپ نے سجدہ فرمایا تو مشرکینِ مکہ جو اُس وقت وہاں موجود تھے وہ بھی سجدہ میں گر گئے سوائے ایک شخص کے کہ جس نے سجدہ نہ کیا اور وہ سجدہ کو بُرا سمجھتا تھا۔ لیکن دوسری طرف جب اُس نے دیکھا کہ اُس کی قوم کے سب لوگوں نے سجدہ کیا ہے تو وہ ان سے علیحدہ رہنا بھی پسند نہ کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے ہتھیلی میں کچھ کنکر اُٹھائے اور اُن پر سجدہ کیا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت بعض لوگ ایسے بھی تھے جو خداتعالیٰ اور اپنے معبودوں کے سامنے بھی سر جھکانا بُرا سمجھتے تھے۔ ایسے لوگوں کے خیالات کا ازالہ کرنے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ تم ایسا نہ کیا کرو۔

کیونکہ اِس سے سجدہ کو ناپسند کرنے والوں سے تشابہہ پیدا ہو جاتا تھا۔2 چنانچہ جس حدیث سے تکیہ پر سجدہ نہ کرنے کا استدلال کیا گیا ہے اُس کے بارہ میں یہی تشریح آتی ہے کہ جس شخص کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کرنے سے منع کیا تھا اُس نے تکیہ زمین پر رکھ کر سجدہ نہ کیا تھا بلکہ تکیہ اُٹھا کر سجدہ کیا تھا جو صاف مذکورہ بالا کافر کی مشابہت تھی۔ چنانچہ علماءِ حدیث نے اِس سے یہی استدلال کیا ہے کہ تکیہ پر سجدہ منع نہیں۔ بلکہ کوئی چیز اُٹھا کر اُس پر سجدہ کرنا منع ہے۔ ورنہ ثابت ہے کہ امہات المومنین میں سے بھی بعض بیماری میں تکیہ پر سجدہ کرتی تھیں اور بعض دوسرے صحابہؓ کی روایات سے بھی پتا چلتا ہے کہ مسلمان شروع سے ایسا کرتے چلے آئے ہیں کہ اگر کسی کو کوئی عذر ہوا تو اُس نے اشارہ سے یا کسی اَور چیز کا سہارا لے کر سجدہ کر لیا۔3 پس اِس سے منع کرنے میں کوئی عقلی استبعاد نظر نہیں آتا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جس طرح سجدہ میں انسان اوپر سے نیچے کی طرف جاتا ہے اُسی طرح اشارہ بھی اوپر سے نیچے کیا جاتا ہے۔ پس اشارہ میں سجدہ سے ایک مشابہت ہے جو دوسری صورت میں یعنی تکیہ اُٹھا کر اُس پر سجدہ کرنے میں نہیں ہوسکتی۔

اس کے بعد میں جماعت کے نوجوانوں کو بالخصوص اِس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ جماعت میں کچھ عرصہ سے وقف کی طرف توجہ نہیں رہی خصوصاً جب سے پاکستان بنا ہے اُس وقت سے لوگوں کی توجہ وقف کی طرف سے جاتی رہی ہے۔ اِس سے پہلے نوکریوں کا جھگڑا ہوتا تھا، جو اچھی نوکریاں ہوتی تھیں وہ انگریز لے جاتے تھے، جو دوسرے درجے کی نوکریاں تھیں وہ ہندو لے جاتے تھے اور جو درمیانی درجہ کی نوکریاں ہوتی تھیں وہ سِکھ لے جاتے تھے اور جو گند باقی رہتا تھا وہ مسلمانوں کے حصہ میں آتا تھا۔ اُس وقت مسلمان سمجھتا تھا کہ چلو! نوکری نہ سہی، خدمتِ دین ہی سہی۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد ساری نوکریاں مسلمانوں کو ہی ملتی ہیں۔ اب اُن کا انگریزوں، ہندوؤں اور سِکھوں سے مقابلہ نہیں رہا۔ اور وہ خیال کرتے ہیں کہ جب انہی جیسے ایم۔اے اور بی۔اے وزیر ہیں، سیکرٹری ہیں، ڈائریکٹر ہیں اور انسپکٹر جنرل پولیس وغیرہ ہیں تو وہ بھی کیوں ویسے ہی نہ بنیں؟ پس وہ نوکریوں کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور خدمتِ دین کا خیال انہیں نہیں رہا۔ حالانکہ یہ اُن کے دماغ کی کمزوری کی علامت ہے کہ انہوں نے اِس بات کا

اندازہ نہیں کیا کہ بڑے عہدے گنتی کے ہوتے ہیں اور وہ صرف گنتی کے چند افراد کو ہی مل سکتے ہیں۔ دوسرے لوگ تو پہلے کی طرح نوکری کی تلاش میں جوتیاں چٹخاتے پھریں گے۔ پھر انہوں نے یہ کس طرح سمجھ لیا کہ وزارت، سیکرٹری شپ یا ڈائریکٹر شپ انہیں ضرور ملے گی۔ اب بھی ملک میں دیکھ لو، کئی ایم۔اے اور بی۔اے پاس لوگ فارغ ہیں۔ انہیں نوکریاں نہیں مل رہیں۔ مگر یہ نقطہ نگاہ تو اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب خدا کے خانہ کو خالی چھوڑ دیا جائے۔ اگر خدا تعالیٰ کے خانہ کو خالی نہ چھوڑا جائے تو انہیں سمجھنا چاہیے کہ دین کی خدمت کا ثواب دائمی ہے اور دنیوی مال ایک عارضی اور فانی چیز ہے۔ جو شخص تیس یا چالیس سالہ زندگی کے لیے اتنی محنت کرتا ہے اور تین کروڑ یا تین اَرب سال کی آئندہ زندگی کو نظرانداز کر دیتا ہے وہ کس طرح امید کر سکتا ہے کہ ہم اسے عقلمند سمجھ لیں۔ اگر وہ خدمتِ دین کرتا ہے تو ایک نہ ختم ہونے والے عرصہ کے لیے انعام پاتا ہے۔ وہ انعام اور اجر تین کروڑ سال کے لیے نہیں، تین اَرب سال کے لیے نہیں بلکہ ایسے زمانہ کے لیے ہے جسے اسلام نے نہ ختم ہونے والا کہا ہے۔ اور جو زمانہ نہ ختم ہونے والا ہو وہ بہرحال تین کروڑ یا تین اَرب یا تین کھرب سال سے زیادہ ہوگا اور اتنے لمبے عرصہ کے فائدہ کو چند سالہ فائدہ کے لیے نظرانداز کر دینے والا عقلمند نہیں کہلا سکتا۔

میں نے سنا ہے کہ اِس سال مدرسہ احمدیہ میں صرف ایک طالب علم داخل ہوا ہے۔ اس میں کسی حد تک سکول والوں کی ناتجربہ کاری کا بھی دخل ہے۔ جب سید محمود اللہ شاہ صاحب فوت ہوئے اور موجودہ ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے تو انہیں یہ خیال نہ آیا کہ سال بھر طلباء کو وقف کی طرف توجہ دلاتے رہیں۔ سید محمود اللہ شاہ صاحب اِس کے لیے سال بھر کوشش کرتے رہتے تھے اور مجھے وقتاً فوقتاً بتاتے رہتے تھے کہ میں نے اِتنے لڑکوں سے وقف کا وعدہ لیا ہے اور اس طرح مدرسہ احمدیہ میں کچھ نہ کچھ طلباء آ جاتے تھے۔ لیکن اب جو نئے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے ہیں انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ وقف کی تحریک تو جاری ہی ہے طلباء خود بخود وقف کی طرف آ جائیں گے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گزشتہ سال طلباء کو اس کا احساس پیدا نہ ہوا۔ اگر وہ سال کے شروع سے ہی کوشش کرتے اور طلباء کو وقف کی طرف توجہ دلاتے رہتے تو کچھ نہ کچھ طلباء وقف میں آ جاتے۔ ایک کلاس پر کئی ہزار روپے سالانہ خرچ آتا ہے۔ اگر ایک طالبعلم ہو تب بھی یہ خرچ

آئے گا اور اگر پچاس طالبعلم ہوں تب بھی یہ خرچ آئے گا۔گویا اِس سال ایک طالبعلم پر پچاس گُنا خرچ کرنا پڑے گا۔ اور اگر خدانخواستہ وہ لڑکا امتحان میں فیل ہو گیا تو ایک سال خالی رہ جائے گا۔ اور یا پھر اس کلاس میں صرف فیل شدہ لڑکے داخل کرنے پڑیں گے۔

میں دیکھتا ہوں کہ بیرونِ ہندوستان کی جماعتوں میں وقف کی تحریک کی طرف اب زیادہ توجہ پیدا ہو رہی ہے۔ اِس سال امریکہ سے تین چار نوجوانوں کی طرف سے درخواستیں وصول ہو چکی ہیں کہ ہم دینی تعلیم کے حصول کی خاطر پاکستان آنا چاہتے ہیں۔ یورپ سے دو تین نوجوانوں کی درخواستیں آئی ہیں۔ وہ بھی دینی تعلیم کی خاطر مرکز میں آنا چاہتے ہیں۔ اِسی طرح انڈونیشیا، سیلون اور افریقہ سے بھی بعض نوجوانوں کی درخواستیں وصول ہوئی ہیں۔گویا جن ممالک میں آمدنیں زیادہ ہیں اُن ممالک سے وقف کی درخواستیں آ رہی ہیں۔ یورپ میں معمولی سی تعلیم کے ساتھ لوگ جس قدر آمد پیدا کر لیتے ہیں پاکستان کے رہنے والے نہیں کر سکتے۔لیکن اُن لوگوں کی طرف سے درخواستیں موصول ہو رہی ہیں۔ ہم اُنہیں اِس لیے نہیں بلاتے کہ پہلے جو طلباء آ چکے ہیں وہ ابھی تعلیم سے فارغ نہیں ہوئے۔

غرض جہاں دفتر میں بیرونی ممالک کے احمدیوں کی بارہ تیرہ درخواستیں پڑی ہوئی ہیں وہاں پاکستان کے احمدیوں کی توجہ اِس طرف بہت کم ہے۔ حالانکہ پاکستان یا ہندوستان جس میں پاکستان اور بھارت شامل تھے، وہ ملک ہے جسے خداتعالیٰ نے چُن لیا ہے۔ اگر خداتعالیٰ کسی اَور ملک کو زیادہ قابل سمجھتا تو وہ اپنا مسیح اُس ملک میں مبعوث کرتا لیکن اُس نے اپنے مسیح کی بعثت کے لیے ہمارے ملک کو چُن کر ایک تو ہم پر احسان کیا اور دوسرے ہم پر اعتماد کا اظہار کیا جس کا بدلہ دینا ہم پر فرض ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ آپ کسی شخص کے لیے اس قسم کی دعا بھی کرتے ہیں جس قسم کی دعا آپ اپنی ذات کے لیے کرتے ہیں؟ آپ نے کہا ہاں۔ میں اُس شخص کے لیے اِس قسم کی دعا کرتا ہوں جو مجھے آ کر یہ کہتا ہے کہ مجھے آپؓ کے سوا اَور کوئی دعا کرنے والا نظر نہیں آتا۔ ایسے شخص کے لیے میں اُسی قسم کی دعا کرتا ہوں جس قسم کی دُعا میں اپنی ذات کے لیے کرتا ہوں۔ اس لیے کہ اس نے مجھ پر اعتماد کیا ہے۔

اور چونکہ اس نے مجھ پر اعتماد کیا ہے اس لیے اب میرا فرض ہے کہ اُس کے اعتماد کے مطابق اُس سے سلوک کروں۔ اگر حضرت ابن عباسؓ زید بکر کے لیے اپنی جان لڑا دیتے تھے کہ اُس نے آپؓ پر اعتماد کا اظہار کیا تو پھر یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ خداتعالیٰ نے ہمیں اِس لیے چُنا کہ ہم اُس کے دین کا جھنڈا بلند کریں اور اُسے ہر ملک میں گاڑ دیں۔ لیکن ایک حقیر سی دولت کے لیے ہم اس کے کام کو نظرانداز کر رہے ہیں۔ آخر پاکستان کتنا بڑا ملک ہے۔ پاکستان کی حکومت چھوٹی سی حکومت ہے اور پھر اس میں جو حصہ تمہارا ہے وہ کتنا ہے؟ اِس میں تمہارا حصہ تو بہت ہی کم ہے۔ اس معمولی سی دولت کو خداتعالیٰ کے انتخاب پر مقدم کر لینا کتنے افسوس کی بات ہے۔

پس میں تمہیں اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ یہ تمہارا اندھا پن ہے اسے دور کرو۔ یہ بیماری ہے اِس کا علاج کرو۔ اگر تمہاری آنکھوں میں موتیا اُتر آتا ہے، اگر تمہاری آنکھوں میں ککرے پڑتے ہیں، اگر تمہاری آنکھوں میں سفیدہ پڑتا ہے تو تم اس کا علاج کراتے ہو۔ اب اِس سے زیادہ سفیدہ، موتیا اور ککرے اور کیا ہوں گے کہ تم دنیوی مقاصد کو خداتعالیٰ کے دین پر مقدم رکھتے ہو۔ یہ بڑا سخت سفیدہ ہے، یہ بڑے سخت ککرے ہیں جو تمہاری روحانی بینائی کو تباہ کر رہے ہیں۔ پس میں سکول کے اساتذہ اور کالج کے پروفیسروں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس طرف توجہ کریں اور طلباء کو وقف کی طرف لائیں۔ میں نے لاہور میں ایک واقفِ زندگی پروفیسر سلطان محمود صاحب شاہد کو ایک دفعہ تحریک کی کہ تم طلباء کے رجحانات کا جائزہ لے کر وہ مضامین تجویز کرو جو اُن کے لیے آئندہ زندگی میں مفید ثابت ہوں۔ لیکن چار سال ہو گئے اُن کی طرف سے کوئی رپورٹ نہیں آئی۔ دوتین ماہ کے بعد میں نے انہیں پکڑا اور کہا کہ تم نے اب تک اس تحریک کے بارہ میں کیا کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں لڑکوں کو اکٹھا کر رہا ہوں۔ کچھ دنوں کے بعد اپنی رپورٹ پیش کر سکوں گا۔ لیکن چار سال کا عرصہ گزر گیا۔ اب تک انہوں نے کوئی رپورٹ پیش نہیں کی۔ اِس عرصہ میں کئی لڑکے بھاگ گئے اور باہر کاموں پر لگ گئے۔ جہاں پروفیسروں کی یہ حالت ہو وہاں طالبعلموں کی کیا حالت ہوگی؟ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے کہتے ہیں کہ "مُژْدَہْ بَادْ! اے مَرْگ! عیسٰی آپ ہی بیمار ہے" یعنی اے موت! تجھے خوشخبری ہو

کہ عیسٰی خود بیمار ہو گیا ہے اور وہ کسی کو زندہ نہیں کر سکتا۔ جب پروفیسروں کی یہ حالت ہو کہ اگر اُن کے سپرد اتنا چھوٹا سا کام بھی کیا جائے جو اگر کسی بُوڑھے کے سپرد بھی کیا جاتا تو وہ اُسے کر لیتا۔ لیکن وہ چار سال تک نہ کریں تو طلباء کا کیا حال ہوگا۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر اساتذہ اور طالبعلم اپنی اصلاح نہیں کریں گے اور خدمتِ دین سے غفلت کریں گے تو خداتعالیٰ کا کام بہرحال ہوتا چلا جائے گا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ تم سے برکت چھین لی جائے گی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک جنگ میں تشریف لے گئے اور اس میں خداتعالیٰ نے آپؐ کو فتح دی۔ اُس وقت مکہ نیا نیا فتح ہوا تھا اور آپؐ کے ساتھ مکہ کے حدیث العہد لوگ بھی تھے۔ آپؐ نے انہیں حدیث العہد سمجھ کر مالِ غنیمت میں سے بہت سا حصہ دے دیا اور مدینہ کے مسلمانوں کو نہ دیا۔ اِس پر ایک انصاری نوجوان نے کہا کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال اپنے رشتہ داروں کو دے دیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ خبر پہنچی۔ آپؐ نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا اے انصار! مجھے یہ خبر پہنچی ہے۔ انہوں نے کہا یَا رَسُولَ اللّٰہ! یہ بات درست ہے لیکن ہم میں سے ایک بدبخت نوجوان نے یہ بات کہی ہے۔ ہم اس سے کُلّی طور پر بیزار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اے انصار! کہنے والے کے منہ سے بات نکل گئی اور دنیا کے سامنے آ چکی۔ میں تمہارے سامنے اِس کی اصل حیثیت رکھ دیتا ہوں کہ آج جو کچھ ہوا ہے اُس کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں۔ تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے اپنے رشتہ دار ان کے دشمن ہو گئے اور انہوں نے آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو بُرا بھلا کہا، آپ پر مظالم کیے اور آخر اِتنی سختیاں کیں کہ آپؐ کو مکہ سے نکلنا پڑا اور مدینہ تشریف لے آئے۔ وہاں ہم نے آپؐ کو اور آپ کے ساتھیوں کو پناہ دی، انہیں اپنی جائیدادیں پیش کر دیں، اپنے مکان خالی کر دیئے۔ غرض آپؐ کے لیے ہر ممکن قربانی کی اور اپنی جانوں کو آپؐ کی حفاظت کے لیے پیش کر دیا۔ لیکن جب مکہ فتح ہو گیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں محروم کر دیا اور اموال اپنے رشتہ داروں کو دے دیئے۔ انصار کے اندر ایمان تھا وہ اِس قسم کی بے ایمانی والی بات نہیں کہہ سکتے تھے۔ انہوں نے روتے ہوئے

عرض کیا کہ یَارَسُولَ اللّٰہ! یہ بات ہماری قوم کے ایک بدبخت نوجوان کے منہ سے نکل گئی ہے۔ ہم اس سے کُلّی طور پر بیزار ہیں۔ آپ نے فرمایا اے انصار! اِس کا ایک اَور رُخ بھی ہے۔تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ خداتعالیٰ نے اپنے ایک نبی کو مکہ میں پیدا کیا لیکن اُس کی قوم نے اُس کی قدر نہ کی۔ اِس لیے خداتعالیٰ نے اپنی اس نعمت کو اُٹھا کر مدینہ بھیج دیا۔ پھر فرشتوں کی مدد اور خداتعالیٰ کی برکات اور فضلوں کے نتیجہ میں وہ بڑھا، پھلا اور پُھولا اور اُس نے ترقی حاصل کی اور مکہ فتح کر لیا۔ جب اس کا مکہ پر قبضہ ہو گیا تو مکہ والوں کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ تو سچا رسول تھا، ہم نے اس کی ناقدری کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اُسے قبول کیا اور پھر وہ خیال کرنے لگے کہ شاید ان کی کھوئی ہوئی دولت اُن کو واپس مل جائے گی اور خدا کا رسول پھر مکہ میں آباد ہو جائے گا۔لیکن خداتعالیٰ نے کہا چونکہ تم نے میری نعمت کو ردّ کر دیا تھا اِس لیے اب یہ عظیم الشان نعمت تمہیں واپس نہیں مل سکتی۔ چنانچہ اُس نے مکہ والوں سے کہا کہ اونٹ اور بکریاں تم لے لو اور مدینہ والوں سے کہا کہ تم میرے رسول کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔فرمایا تم یہ بھی کہہ سکتے ہو۔4

تمہاری بھی یہی مثال ہے۔تم خداتعالیٰ کو یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ پہلے نوکریاں نہیں ملتی تھیں۔ اب چونکہ پاکستان بن گیا ہے اس لیے ہم نوکریاں کریں گے اور دنیوی راحت و آرام حاصل کریں گے۔ اور یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ اب اگر نوکریاں مل رہی ہیں تو کوئی بات نہیں ہم پہلے بھی خداتعالیٰ کے تھے اور اب بھی خداتعالیٰ کے ہی رہیں گے اور اُس کے دین کی خدمت کریں گے۔تم خود سمجھ سکتے ہو کہ تم خداتعالیٰ کو اِن دونوں میں سے کونسا جواب دینا پسند کرو گے۔ کیا تم قیامت کے دن یہ کہہ کر اپنے ماں باپ کی ناک رکھو گے کہ جب تک پاکستان نہیں بنا تھا ہم نے اپنی زندگیاں وقف کیں۔لیکن جب پاکستان بن گیا تو ہم نے وقف توڑ دیئے؟ یا تم یہ کہو گے کہ جب تک پاکستان نہیں بنا تھا ہم نے خداتعالیٰ کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کی تھیں اور جب پاکستان بن گیا تب بھی ہم نے خداتعالیٰ کو ہی مقدم رکھا؟ تم سمجھ سکتے ہو کہ تم پہلا جواب دے کر اپنے ماں باپ کی طرف فخر کے ساتھ گردن اُٹھا کر دیکھ سکو گے یا دوسرا جواب دے کر تم اُن کی ناک کو محفوظ

رکھ سکو گے؟ بہرحال فیصلہ تمہارے اختیار میں ہے اور ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اُسے ان حالات میں کیا فیصلہ کرنا چاہیے"۔ (الفضل 13/اکتوبر 1954ء)

---

1 : **مرض مزمّن**: پرانی بیماری(فیروز اللغات اردو جامع فیروز سنز لاہور)

2 : صحیح البخاری کتاب التفسیر باب سورۃ النجم،السنن الکبریٰ للبیھقی . جزء 2صفحہ307کتاب الصلوٰۃ باب من وضع وسادۃ علی الارض فسجد علیھا مطبوعہ حیدر آباد دکن ہند1346ھ

3 : صحیح البخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیۃ۔

4 : صحیح البخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الطائفِ فی شَوَّالٍ سنۃ ثَمَانٍ۔